صُلح حُدَیبیہ عہدِ نبوی کی سیاستِ خارجہ کا شاہکار

ڈاکٹر بشیر احمد رند*

A successful politician and victorious solider is not the one who only defeats enemy in battlefield. But actually a successful politician and victorious solider is the one who by dialogues accepts and gives such conditions in truce that paves ways for success and victories, and in a short time whole country, community, nation rather coming generation would get fruit of that truce. Because some times victorious in battlefield faces such defeat in dialogue that for centuries their nation would not be stable. Regret, defeat, contemptibility because that fate of the nation and their success in the battlefield never become proud of them. So awareness, foresight and activeness is needed in the battlefield but never than that activeness, awareness and foresight is needed in the field of dialogue.

In this background we will study the conditions of the treaty of Hudaibiah because apparently the conditions of treaty of Hudaibiah were defeat for the Holy Prophet (SAWS) and his followers and was success for people of Makkah and it seems that Muslims made a truce under hard conditions with great pressure but afterwards its results were vice versa.

That's why, we have to see that what was background of this Treaty and what were reasons and expediencies which the Holy Prophet (SAWS) considered while making this Treaty, and how he made decision with awareness, foresight and activeness, and what were benefits, impacts and results of this treaty on future policies and collective life of the Muslims.

ایک کامیاب سیاستدان اور فاتح سپہ سالار وہ نہیں جو صرف میدانِ جنگ میں دشمن کو شکستِ فاش سے دو چار کرے بلکہ در حقیقت اصل کامیاب سیاستدان اور فاتح سپہ سالار وہ ہے جو میدانِ مکالمہ میں ایسی شرائط منوا کر اور مان کر صلح کرے جس کے بعد کامیابیوں اور فتوحات کے راستے ہموار

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تقابلِ ادیان و ثقافتِ اسلامیہ، سندھ یونیورسٹی، جامشورو۔

ہو جائیں۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں اس صلح کے ثمرات ملک،قوم،اور ملت بلکہ آنے والی نسلوں تک پہنچیں۔کیونکہ بسا اوقات میدانِ جنگ میں فتح پانے والے میدانِ مکالمہ میں ایسی مات کھا جاتے ہیں کہ صدیوں تک ان کی فوج اور قوم سنبھالے نہیں سنبھل سکتی۔ پستی،ذلت،رسوائی اور شکست اس قوم کا مقدر بن جاتی ہے۔اور میدانِ جنگ میں فتح ان کے لیے کوئی قابل فخر بات نہیں رہتی۔اس لئے جس بیدار مغزی،دور اندیشی،اور چستی کی ضرورت میدانِ جنگ میں ہوتی ہے اس سے کہیں بڑھ کر میدانِ مکالمہ میں بیدار مغزی،دور اندیشی،اور چستی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسی تناظر میں ہم صلح حدیبیہ کی شرائط کا مطالعہ کریں گے کہ آپ ﷺ نے کس بیدار مغزی،اور دور اندیشی کا ثبوت دیا اور مستقبل قریب میں اس صلح کے کیا فوائد،نتائج اور اثرات مرتب ہوئے۔

صلح حدیبیہ کا پس منظر

صلح حدیبیہ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے اس کا کچھ پس منظر جاننا ضروری ہے :۔"سن چھ ہجری اسلامی تاریخ اور ریاستِ مدینہ کا ایک اہم سال تھا۔مدنی ریاست تین اہم دشمن قوتوں کے درمیان واقع تھی۔ شمال میں خیبر وغیرہ یہودی قوت کے مرکز تھے، شمال مشرق میں فزارہ و غطفان کے قبائل خیبر والوں کے حلیف تھے، اور ان کی مسلمانوں سے بنتی نہ تھی اور جب بھی انہیں موقعہ ملتا مسلمانوں کی بستی پر تاخت کے در پے رہتے۔تو جنوب میں مشرکینِ مکہ اور ان کے حلیف تھے،جو سب کے سب غم و غصے سے بے قرار اور مسلمانوں کے خلاف خار کھائے بیٹھے تھے اور سابقہ ناکامیوں کی جلن الگ تھی۔آثار یہ نظر آ رہے تھے کہ خیبر میں جا بسے ہوئے (جلاوطنانِ مدینہ یعنی)بنی نضیر کی کوششیں رنگ لائیں گی۔اور یہود،غطفان اور قریش یہ سہ گانہ قوت مدینہ پر ہلہ بول دے گی، جس کی مدافعت مسلمانوں کے لیے آسان نہ تھی،اور ایک ہی وقت میں تینوں قوتوں کے ساتھ لڑنا مسلمانوں کے لیے مشکل تھا۔ اگر مسلمان مکہ جاتے تو خطرہ تھا کہ اہلِ خیبر اور ان کے حلفاء مدینہ پر چڑھ نہ دوڑیں۔ اور اگر مسلمان خیبر جائیں تو اہلِ مکہ اپنے حلفاء سمیت مدینہ آکر اسے لوٹ نہ لیں،کیونکہ مدینہ بیچوں بیچ واقع ہے۔خیبر اس کے شمال میں کوئی پانچ منزل کی مسافت پر واقع ہے، تو مکہ اس کہ جنوب میں بارہ منزل پر ہے۔

ان حالات میں سیاستدانی کا اقتضا یہی ہو سکتا ہے کہ ان دشمن قوتوں میں سے کسی ایک سے صلح کر کے دوسرے کے مقابلہ میں اس کو دوست ورنہ کم از کم غیر جانبدار بنا دیا جائے اور جب ایک

سے فراغت ہو تو دوسرا خود ہی ہتھیار ڈال دے گا، پھر اسے سر زوری کی جرأت نہ ہو گی۔ لیکن سوال یہ تھا کہ صلح مکہ والوں سے کی جائے یا خیبر والوں سے؟

چونکہ خیبر کے حلیف و معاون یعنی فزارہ و غطفان محض لوٹ مار کے شائق اور بالکل بے اصول خانہ بدوش عرب تھے، جبکہ یہود تمدنی اورنسلی وجود سے عربوں سے الگ تھے، ان کو اپنی جلاوطنی اور جائداد کے لٹنے کا داغ تھا، جو جائداد کی واپسی کے بغیر مٹ نہ سکتا تھا۔ سرمایہ داری کی وجہ سے کوئی معمولی فائدہ ان کو مطمئن نہ کر سکتا تھا، اور نہ ہی ان کی بات پر کوئی اعتماد کیا جا سکتا تھا بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ خیبر کا مالدار مرکز نسبتاً ایک غیر جنگجو قوم کے قبضے میں ہونے سے آسان تر مالِ غنیمت تھا۔ جبکہ دوسری طرف مکہ مسلمانوں کیلئے بہت سی رعایتوں کا متقاضی تھا۔ مسلمان مہاجرین سب ہی مکی تھے، اور اہلِ مکہ سب ان کے رشتے دار تھے۔ کعبہ مسلمانوں کی نماز کا قبلہ اور حج کی منزلِ مقصود تھا۔ اہلِ مکہ کی تباہی سے زیادہ ان کا اسلام زیادہ مفید ہو سکتا تھا، کیونکہ قریش کے معاشی، اور تمدنی تعلقات تمام عرب سے تھے اور ان کی صلاحیتیں پورے عرب میں سب سے زیادہ تھیں، کیونکہ ان میں بات کا پاس تھا، وہ دُھن کے پکے تھے، قومی مفاد کے لیئے تن، من، دھن سے لگ جاتے تھے۔ طبیعت مہمات پسند تھی، ادبی ذوق اور انتظامِ ملک کی قابلیت و ملکہ بھی عام بدویوں کے مقابلے میں ان میں کہیں بڑھا ہوا تھا اور حالات سے یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ اہلِ مکہ مسلمانوں کے معاشی دباؤ کے باعث اب واقعی صلح پر آمادہ ہو چکے تھے، اور صرف لاج رکھنے کے لیئے کسی اچھی شرط کے منتظر تھے۔ ان حالات میں معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے یہ سوچا کہ اگر حج کے مہینوں میں مکہ جائیں اور ارادہ طوافِ کعبہ اور قربانی وعمرہ کیلئے ہو اور قریش کو منہ مانگی شرطیں پیش کر دی جائیں تو کچھ تعجب نہیں کہ وہ صلح پر آمادہ ہو جائیں''[1]

دریں اثناء رسولِ کریم ﷺ کو مدینہ میں یہ خواب بھی دکھلایا گیا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام مسجدِ حرام میں داخل ہوئے، آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کی کنجی لی اور صحابہؓ سمیت بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کیا، پھر کچھ لوگوں نے سر کے بال منڈائے اور کچھ نے کٹوانے پر اکتفا کیا۔ آپ ﷺ نے صحابہء کرام کو اس خواب کی اطلاع دی تو انہیں بڑی مسرت ہوئی، اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اس سال مکہ میں داخلہ نصیب ہوگا۔[2]

مکہ کی جانب مسلمانوں کی روانگی اور اہلِ مکہ کی جانب سے روکنے کی کوشش

مدینہ طیبہ میں قابل کار مسلمان تین ہزار کے قریب تھے۔[۳] آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ پر نمیلہ بن عبد اللہ لیثیؓ کو عامل مقرر کیا[۴] اور چودہ سو صحابہ کرامؓ کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر ذی قعدہ کے شروع میں خاموشی کے ساتھ مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ قربانی کے جانور ساتھ تھے، ارادہ محض مسالمانہ تھا، اس لئے جنگی ہتھیار تک نہیں تھے سوائے تلواروں کے جو نیاموں میں تھیں۔ ایک جاسوس جو حالات معلوم کرنے کیلئے پیشگی بھیج دیا گیا تھا اس نے آکر اثناء راہ میں اطلاع دی کے قریش کو پتہ چل چکا ہے اور مقابلے کی تیاریاں کر رہے ہیں اور حلیف قبائل کو بھی جمع کر رہے ہیں۔ اور خالد بن ولید دو سو سواروں کے ساتھ کراع الغمیم تک پہنچ چکے ہیں۔ آپ ﷺ خالد سے کترا کر داہنی طرف دشوار گذار راستہ اختیار کر کے حدیبیہ تک پہنچ گئے، جو مکہ سے ۱۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور وہاں قیام کیا۔[۵]

سفارتی سرگرمیاں اور بیعتِ رضوان

حدیبیہ آتے ہی سفارتی سرگرمیاں شروع ہو گئیں، قریش کے نمائندے اور کارندے آ آ کر مقصد معلوم کرنے لگے، آخر رسول اکرم ﷺ نے اپنے داماد حضرت عثمانؓ رضی اللہ تعالی عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا کہ مختارِ کل کی حیثیت سے گفت و شنید کریں[۶] اور انھیں یہ بات سمجھائیں کہ ہم محض عمرہ کی نیت سے بیت اللہ کی تعظیم کیلئے آئے ہیں، ہمارا جنگ کا کوئی ارادہ نہیں۔ حضرت عثمانؓ نے آپ ﷺ کا پیغام اہلِ مکہ تک پہنچا دیا، اور اہلِ مکہ نے حضرت عثمان کو اس مقصد کیلئے روکے رکھا کہ باہم مشورہ کر کے حضرت عثمانؓ کو ان کے لائے ہوئے پیغام کا جواب دیں۔ ادھر مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان کو اہلِ مکہ نے شہید کر دیا۔ جب آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے انتقام اور ہلِ مکہ سے معرکہ آرائی کرنے پر صحابہ کرام سے بیعت لی۔ کسی نے موت پر تو کسی نے میدان چھوڑ کر نہ بھاگنے پر بیعت کی۔ اسی بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں،[۷] اسی کے بارے میں اللہ تعالی نے یہ آیت نازل کی: لقد رضی اللہ عن المئومنین اذ یبایعو نک تحت الشجرۃ[۸] ’’اللہ مئومنین سے راضی ہوا جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے‘‘

صلح اور دفعاتِ صلح

بہرحال قریش نے صورتِ حال کی نزاکت محسوس کر لی، لہذا جھٹ سُہیل بن عمرو کو معاملاتِ صلح طے کرنے کیلئے روانہ کیا اور تاکید کردی کہ صُلح میں لازماً یہ بات طے کی جائے کہ آپ ﷺ اس سال واپس چلے جائیں، ایسا نہ ہو کہ عرب یہ کہیں کہ آپ ﷺ ہمارے شہر میں جبراً داخل ہو گئے اور ہم کچھ نہ کر سکے، اور ہماری رسوائی ہو[9] ان ہدایات کو لیکر سہیل بن عمرو آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، کچھ گفت وشنید کے بعد صلح کے دفعات یہ طے پائے:۔

(۱) رسول اللہ ﷺ اس سال مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے بغیر واپس جائیں گے، اگلے سال مسلمان مکہ آئیں گے اورتین روز قیام کریں گے، ان کے ساتھ سوار کا ہتھیار ہوگا یعنی میانوں میں تلواریں ہوں گی، اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے گا۔

(۲) دس سال تک فریقین جنگ بند رکھیں گے، اس عرصے میں لوگ مامون رہیں گے، کوئی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔

(۳) قبائلِ عرب میں سے جو محمد ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکے گا، اور جو قریش کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکے گا، جو قبیلہ جس فریق میں شامل ہوگا وہ اس فریق کا ایک جزو سمجھا جائے گا لہذا ایسے کسی قبیلے پرزیادتی ہوئی تو خود اس فریق پر زیادتی متصور ہوگی (اس دفعہ کے مطابق بنوخزاعہ نبی کریم ﷺ کے حلیف بنے اور بنوبکر نے قریش کے حلیف بننے کا اعلان کیا)۔

(۴) قریش کا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر یعنی بھاگ کر محمد ﷺ کے پاس جائے گا محمد ﷺ اسے واپس کریں گے، لیکن محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو شخص (پناہ کی غرض سے بھاگ کر) قریش کے پاس آئے گا قریش اسے واپس نہ کریں گے۔[10]

سفیرِ مکہ کا کچھ باتوں پر اَڑنا اور آپ ﷺ کا اس کی باتوں کو مان لینا

معاہدہ تحریر کیئے جانے کے دوران اہل مکہ کے سفیر سہیل بن عمرو کچھ باتوں پر اڑتے رہے لیکن آپ ﷺ ان باتوں کو معمولی نوعیت کی سمجھ کراہلِ مکہ کے سفیر کی باتوں کو مانتے رہے مثلاً: بسم اللہ الرحمن الرحیم پر سہیل نے اعتراض کیا کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے، اس لئے عرب کے دستور کے

مطابق باسمک اللّٰھم لکھو، آپ ﷺ نے مان لیا کیونکہ اس میں کوئی شرک یا بت پرستی کی بات نہیں تھی، جب آپ ﷺ نے یہ لکھوایا کہ یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ اور سہیل بن عمرو کے مابین طے پایا، تو سہیل نے لفظ ''رسول اللہ'' پر اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ کو رسول مانتے تو جھگڑا کس چیز پر؟ اس لئے رسول اللہ کالفظ کاٹ دو۔ آپ ﷺ نے کاٹ دیا کیونکہ اس میں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہیں تھا۔اسی اثناء میں سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندل جو مسلمان ہو چکے تھے اور باپ نے اسے قیدکر رکھا تھا وہ بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے مسلمانوں کے پاس پہنچے کہ مجھے مشرکین کی قید سے چھڑا کر اپنے ساتھ لے چلو،لیکن جب سہیل نے اُسے واپسی سے انکار کر لیا تو آپ ﷺ نے ابو جندل کو یہ تسلی دے کر واپس کر دیا کہ آپ تھوڑا اور صبر کریں، اللہ آپ کیلئے خلاصگی کی راہ نکال لے گا۔ ۱۱

اسی دوران قریش کے پر جوش اور جنگ باز۷۰-۸۰ کے قریب نوجوانوں نے صلح کی کوشش کو سبوتاژ کرنے کیلئے مسلمانوں میں گھس کر ہنگامہ برپا کرنے کی کوشش کی لیکن آپ ﷺ کے جانبازوں نے انہیں گرفتار کر لیا، مگر آپ ﷺ نے صلح کی خاطر انہیں معاف کر دیا اور چھوڑ دیا۱۲ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا: **وھوالذی کف ایدیھم عنکم وایدیکم عنھم ببطن مکۃ من بعدان اظفرکم علیھم** ۱۳''وہی ہے جس نے بطنِ مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے روکے اور تمھارے ہاتھ ان سے روکے اس کے بعد کہ تم کو ان پر قابو دے چکا تھا۔''

اس معاہدہ کی دفعات کاحاصل

اس معاہدے(جسے اہلِ مکہ اپنی فتح اور عام مسلمان اپنی شکست سمجھ رہے تھے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ جیسے دقیقہ رس مدبر بھی اپنی بے چینی چھپا نہ سکے) کے مندرجات پر جب بنظرِ غائر دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ درحقیقت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی فتح اور دوسری فتوحات کیلئے پیش خیمہ تھا۔ جوشخص بھی اس کی دفعات کا ان کے پس منظرسمیت جائزہ لے گا اسے کوئی شبہ نہ رہے گا کہ یہ مسلمانوں کی فتحِ مبین اور نصرِعزیز تھی، اور رسول اللہ ﷺ کی سیاست خارجہ کا شاہکار تھا۔

دفعہ ۱

اس کے مطابق اگرچہ اہلِ مکہ مسلمانوں کو اس سال مسجدِحرام سے روکنے میں کامیاب رہے

لیکن حقیقت میں یہ دفعہ اس پابندی کے خاتمے کا اعلان تھا جو قریش نے مسلمانوں پر مسجدِ حرام میں داخلے سے متعلق عائد کر رکھی تھی، مگر ظاہر ہے کہ یہ وقتی اور بے حیثیت فائدہ تھا۔[۱۴]

دفعہ ۲

(جس کے مطابق دس سال تک جنگ بندی کا اعلان تھا) یہ چیز تو مسلمان خود چاہتے تھے کہ قریش مسلمانوں سے صلح کر لیں اور مسلمانوں کی جنگوں میں غیر جانبدار رہیں۔ یہ دفعہ در حقیقت مسلمانوں کی قوت کو تسلیم کرنا تھا کیونکہ قریش نے اب تک مسلمانوں کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کیا تھا اور انہیں نیست و نابود کرنے کا تہیہ کیئے بیٹھے تھے، انہیں انتظار تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ قوت دم توڑ دے گی۔اس کے علاوہ قریش جزیرۃالعرب کے دینی پیشوا اور دنیاوی صدر نشین ہونے کی حیثیت سے اسلامی دعوت اور عام لوگوں کے درمیان پوری قوت کے ساتھ حائل رہنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اس پس منظر میں دیکھئے تو صلح کی جانب محض جھک جانا ہی مسلمانوں کی قوت کا اعتراف اور اس بات کا اعلان تھا کہ اب قریش اس قوت کو کچلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔[۱۵]

دفعہ ۳

(جس میں عرب قبائل کو یہ آزادی دی گئی تھی کہ وہ محمد ﷺ اور قریش میں سے جس کے حلیف بننا چاہیں بن سکتے ہیں) اس کے پیچھے صاف طور پر نفسیاتی کیفیت کارفرما نظر آتی ہے کہ قریش کو دنیاوی صدر نشینی اور دینی پیشوائی کا جو منصب حاصل تھا اسے انہوں نے بالکل بھلا دیا تھا اور اب انہیں صرف اپنی پڑی تھی۔ان کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ بقیہ لوگوں کا کیا بنتا ہے۔یعنی اگر سارے کا سارا جزیرۃ العرب حلقہ بگوشِ اسلام ہوجائے تو قریش کو اس کی کوئی پروا نہیں اور وہ اس میں کسی طرح کی مداخلت نہ کریں گے۔اس دفعہ پر غور کیا جائے تو در حقیقت قریش کے عزائم اور مقاصد کے لحاظ سے یہ ان کی شکستِ فاش اور مسلمانوں کی فتحِ مبین کا برملا اظہار تھا۔ آخر اہلِ اسلام اور اعداءِ اسلام کے درمیان جو خونریز جنگیں پیش آئی تھیں ان کا منشاء اور مقصد اس کے سوا کیا تھا کہ عقیدے اور دین کے بارے میں لوگوں کو مکمل آزادی اور خود مختاری حاصل ہو جائے،یعنی اہلِ اسلام یہ چاہتے تھے کہ اپنی آزاد مرضی سے جو شخص چاہے مسلمان ہو اور جو چاہے کافر رہے، کوئی طاقت ان کی مرضی اور ارادے کے سامنے روڑا بن کر کھڑی نہ ہو، مسلمانوں کا یہ مقصد تو ہرگز نہ تھا

کہ دشمن کے مال ضبط کئے جائیں،انہیں موت کے گھاٹ اتار ا جائے اورانہیں زبردستی مسلمان بنایا جائے یعنی مسلمانوں کا مقصد صرف وہی تھا جسے علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے:

شہادت ہے مطلوب ومقصودِ مؤمن☆ نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی! ۱۶

دفعہ نمبر۴:

اس دفعہ پرغور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے مسلمانوں کو مذکورہ تین رعایتیں دے کرصرف ایک رعایت حاصل کی، جو اس دفعہ میں مذکورہ ہے، لیکن یہ رعایت حد درجہ معمولی اور بے وقعت تھی اور اس میں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ تھا،کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب تک مسلمان مسلمان رہے گا اللہ، رسول اور مدینۃ الاسلام سے بھاگ نہیں سکتا، اس کے بھاگنے کی صرف ایک صورت ہو سکتی تھی کہ وہ مرتد ہوجائے، خواہ ظاہراً، خواہ در پردہ، اور ظاہر ہے کہ جب مرتد ہوجائے تو مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہیں بلکہ اسلامی معاشرے میں اس کی موجودگی سے کہیں بہتر ہے کہ وہ الگ ہوجائے اوریہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا تھا: انہ من ذھب منا الیھم فابعدہ اللہ ۱۷ ’’جوہمیں چھوڑ کر ان مشرکین کی طرف بھاگے اسے اللہ نے ہم سے دورکر دیا‘‘ باقی رہے مکے کے باشندے جومسلمان ہو چکے تھے یا مسلمان ہونے والے تھے تو ان کیلئے اگرچہ اس معاہدے کی رو سے مدینہ میں پناہ گزین ہونے کی گنجائش نہ تھی لیکن اللہ کی زمین تو بہرحال کشادہ تھی۔ حبشہ کی سرزمین تو پہلے بھی مسلمانوں کیلئے اپنی آغوش وا کر چکی تھی جب مدینہ کے باشندے اسلام کا نام بھی نہیں جانتے تھے۔ اسی طرح آج بھی زمین کا کوئی ٹکڑا مسلمانوں کیلئے اپنی آغوش کھول سکتا تھا۔ اور یہی بات تھی جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں فرمایا: ومن جائنا منھم سیجعل اللہ فرجًا ومخرجًا ۱۸ ’’ان کا جو آدمی ہمارے پاس آئے گا اللہ اس کیلئے کشادگی اور نکلنے کی جگہ بنا دے گا‘‘ پھر اس قسم کے تحفظات سے اگرچہ بظاہر قریش نے عزو وقار حاصل کیا تھا مگر یہ درحقیقت قریش کی سخت نفسیاتی گھبراہٹ، پریشانی، اعصابی دباؤاور شکستگی کی علامت ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں اپنے بت پرست سماج کے بارے میں سخت خوف لاحق تھا اور وہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کا یہ سماجی گھروندا ایک کھائی کے ایسے کھوکھلے اور اندر سے کٹے ہوئے کنارے پر کھڑا ہے جوکسی بھی دم ٹوٹ کرگرنے والا ہے لہذا اس کی حفاظت کے لیے اس طرح کے

تحفظات حاصل کر لینا بہت ضروری ہیں۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے جس فراخدلی کے ساتھ یہ شرط منظور کی (کہ قریش کے یہاں پناہ لینے والے کسی مسلمان کو واپس نہ طلب کریں گے) وہ اس بات کی دلیل ہے کے آپ ﷺ کو اپنے سماج کی ثابت قدمی اور پختگی پر پورا اعتماد تھا اور اس قسم کی شرط آپ کیلئے قطعاً کسی اندیشے کا سبب نہ تھی۔ ۱۹

صلح حدیبیہ کے فوائد، نتائج واثرات

صلح کے بعد تین دن تک آپ ﷺ نے حدیبیہ میں قیام فرمایا، پھر روانہ ہوئے تو راہ میں یہ سورۃ اتری: انا فتحنا لک فتحًا مبینا ۲۰ ''ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عطا کی'' تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھ رہے تھے خدا نے اس کو فتحِ مبین کہا۔ آنحضرت ؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا: یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ: کیا یہ فتح ہے!؟ ارشاد ہوا کہ: ہاں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ کو تسکین ہوگئی اور مطمئن ہو گئے۔ ۲۱

علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں :۔ نتائجِ ما بعد نے اس رازِ سر بستہ کی عقدہ کشائی کی، اب تک مسلمان اور کفار ملتے جلتے نہ تھے۔ اب صلح کی وجہ سے آمد و رفت شروع ہوئی، خاندان اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ میں آتے، مہینوں قیام کرتے اور مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے، باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہر مسلمان اخلاص، حُسنِ عمل، نیکوکاری، پاکیزہ اخلاقی کی ایک زندہ تصویر تھا۔ جو مسلمان مکہ جاتے تھے ان کی صورتیں یہی مناظر پیش کرتی تھیں۔اس سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھنچے آتے تھے۔ اس معاہدہ صلح سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہیں لائے تھے۲۲ اسی دوران حضرت خالد بن ولید، عمرو بن عاص اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنھم مسلمان ہوگئے۔ جب یہ لوگ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کر دیا ہے''۔۲۳ امام زہری کا بیان ہے کہ: صلح حدیبیہ جیسی فتح اس سے پہلے اسلام میں حاصل نہیں ہوئی تھی۔اس سے پہلے مسلمانوں اور اہلِ مکہ کی ملاقات صرف لڑائیوں میں ہوتی تھی لیکن جب صلح ہوئی اور جنگ نے سامانِ حرب رکھ دیا اور لوگ ایک دوسرے سے مامون ہوگئے تو ایک دوسرے سے ملنے لگے، بات چیت کرنے لگے اور بحث مباحثہ ہونے لگا، اور جو بھی کچھ ہوش حواس اور عقل رکھتا تھا اس نے جب بھی

اسلام کے بارے میں گفتگو کی وہ مسلمان ہو گیا، پچھلے اُنیس سالوں میں اتنے لوگ مسلمان نہیں ہوئے جتنے ان دو سالوں (صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک) میں لوگ مسلمان ہوئے۔ [۲۴]

صلح حدیبیہ کے فوائد وثمرات کو مختصراً اس طرح سمیٹا جا سکتا ہے

۱۔ اس میں پہلی مرتبہ عرب میں اسلامی ریاست کا وجود باقاعدہ تسلیم کیا گیا۔ اس سے پہلے تک عربوں کی نگاہ میں محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی حیثیت محض قریش اور قبائل عرب کے خلاف خروج کرنے والے ایک گروہ کی تھی اور وہ ان کو برادری سے باہر (Outlaw) سمجھتے تھے۔ اب خودقریش ہی نے آپ سے معاہدہ کر کے سلطنتِ اسلامی کے مقبوضات پر آپ کا اقتدار مان لیا اورقبائلِ عرب کے لیے یہ دروازہ بھی کھول دیا کہ اِن دونوں سیاسی طاقتوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ معاہدات کر لیں۔

۲۔ مسلمانوں کے لیے زیارتِ بیت اللہ کا حق تسلیم کر کے قریش نے آپ سے گویا یہ بھی مان لیا کہ اسلام کوئی بے دینی نہیں ہے، جیسا کہ وہ اب تک کہتے چلے آ رہے تھے، بلکہ عرب کے مسلمہ ادیان میں سے ایک ہے اور دوسرے عربوں کی طرح اس کے پیرو بھی حج وعمرہ کے مناسک ادا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ اس سے اہلِ عرب کے دلوں کی وہ نفرت کم ہوگئی جو قریش کے پروپیگنڈا سے اسلام کے خلاف پیدا ہوگئی تھی۔

۳۔ دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ ہوجانے سے مسلمانوں کو امن میسرّ آگیا اور انھوں نے عرب کے تمام اطراف ونواح میں پھیل کر اِس تیزی سے اسلام کی اشاعت کی کہ صلح حدیبیہ سے پہلے پورے ۱۹ سال میں اتنے آدمی مسلمان نہ ہوئے تھے جتنے اس کے بعد دوسال کے اندرمسلمان ہوگئے۔ یہ اِسی صلح کی برکت تھی کہ یا تو وہ وقت تھا جب حدیبیہ کے موقع پر حضورؐ کے ساتھ صرف ۱۴ سو آدمی آئے تھے، یا دو ہی سال کے بعد جب قریش کی عہد شکنی کے نتیجے میں حضورؐ نے مکہّ پر چڑھائی کی تو دس ہزار کا لشکر آپ کے ہمرکاب تھا۔

۴۔ قریش کی طرف سے جنگ بند ہوجانے کے بعد آنحضرت ﷺ کو یہ موقع مل گیا کہ اپنے مقبوضات میں اسلامی حکومت کو اچھی طرح مستحکم کرلیں اور اسلامی قانون کے اجراء سے مسلم معاشرے کو ایک مکمل تہذیب وتمدن بنا دیں۔ یہی وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ

نے سورۃ مائدہ کی آیت ۳ میں فرمایا ہے کہ: ''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے''

۵۔ قریش سے صلح کے بعد جنوب کی طرف سے اطمینان نصیب ہوجانے کا فائدہ یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں نے شمالِ عرب اور وسطِ عرب کی تمام مخالف طاقتوں کو بآسانی مسخر کر لیا۔ صلح حدیبیہ پر تین ہی مہینے گذرے تھے کہ یہودیوں کا سب سے بڑا گڑھ خیبر فتح ہوگیا اور اس کے بعد فدک، وادی القریٰ، تیما، اور تبوک کی یہودی بستیاں اسلام کے زیرِ نگیں آتی چلی گئیں۔ پھر وسطِ عرب کے تمام قبیلے بھی، جو یہود اور قریش کے ساتھ گٹھ جوڑ رکھتے تھے، ایک ایک کر کے تابع فرمان ہوگئے۔ اس طرح حدیبیہ کی صلح نے دو ہی سال کے اندر عرب میں قوت کا توازن اتنا بدل دیا کہ قریش اور مشرکین کی طاقت دب کر رہ گئی اور اسلام کا غلبہ یقینی ہوگیا۔[۲۵]

۶۔ اور محض تین سال کے مختصر عرصے میں مسلمانوں نے پر امن ذرائع سے اپنی مملکت کو تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نما عرب کو اپنا مطیع بنا لیا۔ اور وہاں سے رومی اور ایرانی اثرات بالکل خارج کر کے ایک ایسی مستحکم حکومت قائم کردی جو پندرہ ہی سال میں تین برِ اعظموں پر پھیل گئی۔ اور جو اس سے ٹکرایا پاش پاش ہو کر رہ گیا۔ اور جس نے سرِ تسلیم خم کیا وہ اسلام کی رنگ و زبان سے بالا تر قومیت میں برابری کے حصے کے ساتھ شریک ہوگیا۔[۲۶]

یہی وہ صلح حدیبیہ ہے جسے عہدِ نبوی کی سیاستِ خارجہ کا شاہکار کہنا بے جا نہ ہوگا۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت، طبع ۷، ۱۹۸۷ء، ص۱۰۰ سے ۱۰۶ کا خلاصہ۔

۲۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم، لاہور، المکتبۃ السلفیہ، ۲۰۰۳ء، ص۴۵۹۔

۳۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص۱۰۵۔

۴۔ ابو الفداء اسمٰعیل بن کثیر، البدایہ و النہایہ۔ القاہرہ، مصر، طبع اولیٰ، ۱۹۹۶ء، ۴/ ۱۹۶۔

۵۔ البدایہ و النہایہ ۴/ ۱۹۷، ابو محمد عبد الملک ابن ھشام : سیرۃ النبی۔ لاہور، اسلامی کتب خانہ ۳/ ۱۰۱، الرحیق المختوم ص۴۶۱۔

۶۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص۱۰۶۔
۷۔ ایضاً، و الرحیق المختوم ص ۴۶۵، ابن کثیر:تفسیر القران العظیم، بیروت، دارالخیر، طبع ۲، ۱۹۹۱ع،۲۰۶/۴۔
۸۔ سورۃ الفتح، آیت ۱۸۔
۹۔ ابن ہشام :سیرۃ النبی ۱۰۴/۳۔
۱۰۔ الرحیق المختوم ص۴۶۶،البدایہ و النہایہ ۲۰۰/۴، ابن ہشام :سیرۃ النبی ۱۰۵/۳،رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص۱۰۸۔
۱۱۔ البدایہ والنہایہ : ۲۰۸/۴، سیرت ابن ھشام: ۱۰۵/۳،الرحیق المختوم: ص ۴۶۶۔۴۶۷۔
۱۲۔ الرحیق المختوم: ص۴۶۶۔
۱۳۔ سورہ الفتح آیت ۲۴۔
۱۴۔ الرحیق المختوم: ص۴۶۹۔
۱۵۔ ایضاً۔
۱۶۔ علامہ اقبال:بالِ جبریل،لاہور،پروگریسو بکس،ص ۸۶۔
۱۷۔ ابو الحسین مسلم بن حجاج القشیری : صحیح مسلم مع شرح النواوی، باب صلح حدیبیہ ۴۷۷/۵۔
۱۸۔ ایضاً۔
۱۹۔ الرحیق المختوم: ص۴۷۱۔۴۷۲۔
۲۰۔ سورہ الفتح آیت ۱۔
۲۱۔ صحیح مسلم مع شرح النواوی ۴۷۸/۵ ۔
۲۲۔ علامہ شبلی نعمانی احمد : سیرت النبی، کراچی، دارالاشاعت طبع اول، ۱۹۸۵ع، ۲۶۶/۱
۲۳۔ اس بارے میں سخت اختلاف ہے کہ یہ صحابۂ کرام کس سن میں اسلام لائے۔اسماء الرجال کی عام کتابوں میں اسے سن ۸ ہجری کا واقعہ بتایا گیا ہے۔لیکن نجاشی کے پاس حضرت عمرو بن عاصؓ کے اسلام لانے کا واقعہ مشہور ہے جو سن ۷ھ کا ہے۔اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید اور عثمانؓ بن طلحہ اس وقت مسلمان ہوئے تھے جب حضرت عمروؓ بن عاص حبشہ سے واپس آئے تھے کیونکہ انہوں نے حبشہ سے واپس آ کر مدینہ کا قصد کیا تو راستے میں ان دونوں سے ملاقات ہوئی۔اور تینوں حضرات نے ایک ساتھ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سبھی حضرات سن ۷ھ کے اوائل میں مسلمان ہوئے۔(مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری:الرحیق المختوم ص ۴۷۴)
۲۴۔ البدایہ والنہایہ: ۲۰۲/۴۔
۲۵۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی : تفسیر تفہیم القرآن، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن،طبع ۴۴، ۲۰۰۰ع، ۴۰/۵۔۴۲۔
۲۶۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ : رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی : ص ۱۰۷، تفہیم القرآن: ۴۰/۵۔۴۲۔